قسط نمبر ۴

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

دینِ طریقت کے نظریات وعقائد

دینِ طریقت کے آفاقی مذہب ہونے کا جو دعویٰ کیا جاتا ہے تو وہ اس لحاظ سے نہیں کہ اس میں عالمگیریت اور ہمہ گیریت پائی جاتی ہے اور جملہ بنی نوعِ انسان کو پیش آمدہ مسائل کے حل کرنے کا ضامن ہے بلکہ یہ دعویٰ اس لحاظ سے ہے کہ یہ دین زمانۂ قدیم سے چلا آ رہا ہے اور دنیا کے تمام مذاہب میں موجود رہا ہے۔

اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ ان دین طریقت کے پیروکاروں کو سینٹ کہتے تھے قرآن نے ان کے لیے رہبان کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ہندوؤں میں ایسے لوگ جوگی، گرو، سادھو، رشی اور منی کے ناموں سے موسوم کیے جاتے ہیں۔ بدھ مت ایسے لوگوں کو بھکشوؤں کا نام دیتا ہے۔ سکھ اسے گیانی کہتے ہیں اور مسلمانوں میں ایسے لوگوں کے بے شمار نام مشہور ہیں۔ مثلاً پیر، فقیر، مرشد، درویش، صوفی، خدا رسیدہ، بزرگ، عارف، مجذوب، واصل باللہ، واصل بحق وغیرہ وغیرہ جن میں سے کچھ نام ان کے مراتب کے لحاظ سے رکھے گئے ہیں۔

چونکہ اس مذہب کی اصل بنیاد ذاتی مکاشفات و مشاہدات پر ہوتی ہے۔ ان مشاہدات و مکاشفات میں فروعی اختلاف کے باوجود چند باتیں ایسی ہیں جن پر ان سب مذاہب کا اتفاق ہو جاتا ہے۔ ایسی ہی متفق علیہ باتوں کو دین طریقت میں نظریات وعقائد کی حیثیت حاصل ہے۔ جو مراتب کے لحاظ سے درج ذیل ہیں۔

۱۔ **وحدت الوجود**۔ یعنی انسان چلہ کشی اور ریاضتوں کے ذریعہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اسے کائنات کی ہر چیز میں خدا نظر آنے لگتا ہے۔ بلکہ وہ ہر چیز کو خدا کی ذات کا حصہ سمجھنے لگتا ہے۔ اس قدر مشترک کے لحاظ سے ایک بدکار انسان اور ایک بزرگ، ایک درخت اور ایک بچھو، لہلہاتا باغ اور ایک غلاظت کا ڈھیر سب برابر ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان سب میں خدا موجود ہے۔

۲۔ **وحدت الشہود**۔ جب انسان اس مقام سے ترقی کر جاتا ہے تو اس کی ہستی خدا کی

ہستی میں مدغم ہوجاتی ہے اور وہ دونوں ایک ہی ہوجاتے ہیں۔ گویا یہ نظریہ خدا کی ہستی کو کائنات سے الگ تسلیم تو کرتا ہے لیکن مزید روحانی ترقی کے بعد خود کو خدا کی ذات میں گم کر دیتا ہے۔

۳۔ **حلول**۔ اس سے اگلا مقام یہ ہے کہ انسان اپنے آئینہ دل کو اتنا لطیف اور صاف بنالیتا ہے کہ خدا کی ذات خود اس کے جسم میں داخل ہوجاتی ہے یا حلول کر جاتی ہے گویا وحدت الشہود میں تو انسان روحانی ترقی کرتا کرتا خدا کی ذات میں جا مدغم ہوتا ہے لیکن حلول میں خدا خود اپنے مرتبہ سے نیچے اتر کر انسان کے جسم میں داخل ہو کر مدغم ہو جاتا ہے۔

بالفاظ دیگر ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ وحدت الشہود اور حلول، وحدت الوجود ہی کے دوسرے پہلو یا ترقی یافتہ شکلیں ہیں۔ اصل الاصول وحدت الوجود ہی ہے۔

دین طریقت کے پیروکاروں میں کم و بیش مندرجہ بالا تینوں عقائد پائے جاتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی خاص فرد کسی ایک نظریے کو زیادہ نمایاں کرتا اور اس کا علمبردار بن جاتا ہے۔ بعد میں اس شخص کے معتقدین اسی نظریہ کے پرچارک بن جاتے ہیں۔ گو دین طریقت کے مراتب و مقامات کی رو سے یہی ترتیب درست ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے مگر چونکہ اسلام میں سب سے پہلے حلول کا عقیدہ در آیا تھا اس لیے ہم اس تاریخی ترتیب کو ملحوظ رکھ کر پہلے "حلول" کی تفصیل بیان کریں گے

۱۔ حلول کا نظریہ

خدا کا کسی انسان کے جسم میں حلول کر جانے کا عقیدہ، یہود و نصاریٰ میں بھی پایا جاتا تھا ارشاد باری ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَٰلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ ۖ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ (۹/۳۱)

اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح خدا کے بیٹے ہیں یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں پہلے کافر بھی اسی طرح کی باتیں کہا کرتے تھے

اس آیت میں دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:۔

۱۔ حلول کا عقیدہ یہود و نصاریٰ سے پہلے بھی دنیا میں پایا جاتا تھا۔ یعنی موسیٰؑ کی بعثت سے پہلے بھی موجود تھا۔

۲۔ حلول کا عقیدہ ایسا نظریہ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں صرف منہ کی باتیں ہیں اور مزید یہ کہ صریح کفر ہے۔

ایک دوسرے مقام پر اس عقیدہ کی اور زیادہ وضاحت ہوتی ہے: ارشاد باری ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۔ ۵/۷۲

بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مریم کے بیٹے مسیح خدا ہیں۔

پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ خدا صرف کسی نبی ہی کے جسم میں حلول کرے دوسرے پیروں فقیروں کے جسم میں بھی حلول کر سکتا ہے۔ دیکھئے ایک عیسائی راہب اپنے ذاتی تجربات و مشاہدات کا کیسے اظہار کر رہا ہے:

"سینٹ پال کا قول ہے ہم ذاتِ باری میں مسلسل تحلیل ہوتے رہتے ہیں۔ جب ایک شے دوسری شے میں مدغم ہو جائے تو ان دونوں کے درمیان کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا۔ میں بھی خدا میں تحلیل ہو رہا ہوں اور وہ ذاتِ برحق مجھ سے ہم آہنگ ہو رہی ہے۔ قسم ہے اس زندہ جاوید خدا کی کہ اب مجھ میں اور خالقِ کائنات میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہا۔ ہم اب دونوں ایک ہی ہیں"۔

"وہ آنکھ جس سے میں دیدارِ خداوندی سے لطف اندوز ہوتا ہوں۔ اسی آنکھ سے وہ علیم و بصیر ذات میرا انتظار کر رہی ہے۔ میری آنکھ اور خدا کی آنکھ دونوں ایک ہی ہیں"۔

اقتباس بالا میں "حلول" کے علاوہ "وحدت الوجود" کی صاف جھلک دکھائی دے رہی ہے۔

ہندوستان میں بھی یہ سب نظریات قدیم سے پائے جاتے ہیں۔ ہندوؤں میں ایسے انسان کو جس کے بدن میں خدا اتر آتا ہے، اوتار کہتے ہیں۔ رام چندر جی اور کرشن ان کے ایسے ہی اوتار ہیں جنہیں یہ لوگ خدائی صفات کے حامل قرار دیتے ہیں۔

اور مسلمانوں میں اس عقیدہ کی صدائے بازگشت ان الفاظ میں سنائی دے رہی ہے۔

؎ وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفےٰ ہو کر

اسی طرح دوسرا شعر ہے: ؎

اپنا اللہ میاں نے ہندیں نام رکھ لیا خواجۂ غریب نواز

بھی اسی عقیدۂ حلول کی وضاحت کر رہا ہے

اسلام میں عقیدۂ حلول کی ابتداء

اسلام میں اس عقیدہ کی داغ بیل عبداللہ بن سبا یہودی نے ڈالی تھی۔ یہ شخص یمن کے شہر صنعاء کا رہنے والا اور نہایت ذہین وفطین آدمی تھا۔ اسلامی دور میں یہودیوں کو جو ذلت نصیب ہوئی اس کا انتقام لینے کے لیے منافقانہ طور پر مسلمان ہوا۔ کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ عملی میدان میں اب مسلمانوں سے انتقام لینے کی یہودیوں میں سکت باقی نہیں رہ گئی۔ لہذا وہ مسلمانوں کے عقائد میں تفرقہ کے بیج بو کر تشت و انتشار پیدا کرنا چاہتا تھا۔ یہ شخص درویشی کا لبادہ اوڑھ کر زہد و تقویٰ کے روپ میں سامنے آیا اور اسی زہد و تقویٰ کی ریاکاری سے نومسلموں کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ یہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مسلمان ہوا اور حالات کے دھارے کا انتظار کرتا رہا۔ اس کی یہ سازشی تحریک انتہائی خفیہ طور پر مکہ اور مدینہ سے دور دور کوفہ، بصرہ اور مصر میں کام کر رہی تھی۔ بالآخر اس یہودی کے حامیوں نے حضرت عثمانؓ پر مختلف الزامات عائد کیے اور موقع پا کر غنڈہ گردی کر کے انھیں شہید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسلام کے جسم پر اس نے دو طرح کے وار کیے اور اپنی سازش کی کامیابی کے لیے حضرت علیؓ کو بطور ہیرو منتخب کیا۔

۱۔ نومسلم عجمی لوگوں کو یہ تاثر دیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابتداری کی بنا پر خلافت کے اصل حق دار حضرت علیؓ ہیں۔ اور پہلے تین خلیفوں نے حضرت علیؓ کا حق غصب کیا ہے۔ نئے مسلمان جو ابھی اسلامی تعلیمات سے پوری طرح آشنا نہ تھے۔ دنیا کے عام دستور کے مطابق اس کی چال میں آ گئے۔

۲۔ چونکہ خود درویشی کے روپ میں آیا تھا۔ لہذا ظاہر اور باطن کی تفریق کر کے اور شریعت و طریقت کے رموز بتلا کر ان نومسلموں میں دین طریقت کے ملحدانہ اور کافرانہ نظریات داخل کر دیے اور بتلایا کہ حضرت علیؓ خدا کی ذات کا مظہر ہیں۔ اور خدا ان کے بدن میں حلول کر گیا ہے۔

ایک دفعہ خود اس نے کوفہ میں حضرت علیؓ کو مخاطب کر کے رمز و کنایہ کی زبان میں

کہا" اَنْتَ ھُوَ" یعنی تو وہی ہے۔" تو حضرت علیؓ اس کے نظریہ کو بھانپ گئے اور اسے سخت سرزنش کی۔ بعد میں اسے سزا دینے کے لیے بلا بھیجا لیکن معلوم ہوا کہ وہ کوفہ سے راہ فرار اختیار کر چکا ہے۔

بہرحال اس نے اپنے معتقدین کی ایک جماعت تیار کر لی تھی۔ ایک دفعہ یہ لوگ علی الاعلان بازار میں کھڑے ہو کر اپنے نظریہ کا پرچار کر رہے تھے۔ حضرت علیؓ کے غلام قنبر نے بھی یہ باتیں سنیں تو جا کر حضرت علیؓ کو اطلاع دی کہ کچھ لوگ آپ کو خدا کہہ رہے ہیں اور آپ میں خدا کی صفات مانتے ہیں۔ آپ نے ان کو بلایا۔ یہ قوم زُطّا کے ستّر اشخاص تھے۔ ان سے آپ نے پوچھا تم کیا کہتے ہو؟ انھوں نے کہا" آپ ہمارے رب ہیں اور خالق اور رازق ہیں۔" آپ نے فرمایا" تم پر افسوس ہے۔ میں تو تم جیسا ایک بندہ ہوں تمھاری طرح کھاتا اور پیتا ہوں۔ اگر اللہ کی اطاعت کروں گا تو مجھے اجر دے گا اور اگر اس کی نافرمانی کروں تو مجھے سزا دے گا لہٰذا تم خدا سے ڈرو اور اس عقیدے کو چھوڑ دو۔"

دوسرے دن قنبر نے پھر حضرت علیؓ کو بتلایا کہ وہ لوگ تو وہی کچھ کہہ رہے ہیں۔ آپ نے دوبارہ انھیں بلایا اور پھر تنبیہ اور سرزنش کی۔ لیکن پھر بھی یہ لوگ باز نہ آئے۔ تیسرے دن آپ نے بلا کر ان کو یہ دھمکی بھی دی کہ اگر تم نے پھر بھی یہی بات کہی تو میں تم کو بدترین طریقے سے سزا دوں گا مگر وہ اپنی بات پر اڑے رہے۔ آپ نے ایک گڑھا کھدوایا اور اس میں آگ جلوائی اور ان سے کہا۔ دیکھو اب بھی باز آ جاؤ ورنہ اس گڑھے میں پھینک دوں گا مگر وہ اپنے عقیدہ پر قائم رہے۔ تب حضرت علیؓ کے حکم سے آگ میں پھینک دیے گئے (فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۳۸)

امام بخاری نے یہ حدیث بخاری کتاب استتابۃ المرتدین میں درج فرمائی ہے اور ان حلولیوں کے لیے زنادقہ کا لفظ استعمال کیا ہے اور یہ بھی صراحت کی ہے کہ ابن عباس کہتے تھے کہ اگر میں حاکم ہوتا تو ان لوگوں کو جلانے کے بجائے قتل کر ڈالتا۔

حلول کا عقیدہ رکھنے والے وہ لوگ جو بچ رہے تھے وہ اپنے عقیدہ میں اور بھی سخت ہو گئے۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ آگ اور پانی کا عذاب (جلا کر مار ڈالنے یا ڈبو کر مار ڈالنے کی سزا) صرف اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے اور حضرت علیؓ نے بھی جلایا ہے لہٰذا وہ عین خدا ہیں۔ وہ زبان سے یہ کہتے تھے۔ لَا یُعَذِّبُ بِالنَّارِ اِلَّا رَبُّ النَّارِ

یعنی آگ کا خدا ہی آگ سے عذاب دیتا ہے۔

حسین بن منصور حلاج (م ۳۰۹ھ) عبداللہ بن سبا کا یہ عقیدہ اس کے پیروکاروں نصیریہ کیسانیہ، قرامطیہ اور باطنیہ سے ہوتا ہوا صوفیاء کے اندر داخل ہوگیا۔ حسین بن منصور حلاج (م ۳۰۹ھ) اس عقیدہ کے علمبردار اعلیٰ تسلیم کیے جاتے ہیں۔ ان سے پہلے بھی ایسے صوفیاء گزرے ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے تھے مگر سینوں میں چھپائے رکھتے تھے۔ اس عقیدہ کو شہرت دوام حلاج سے ہی ہوئی۔ اس کا دعویٰ تھا کہ خدا اس کے اپنے اندر حلول کر گیا ہے اسی وجہ سے وہ انا الحق کا نعرہ لگاتا تھا۔ اسے یہ بھی خوب معلوم تھا کہ اس کا یہ عقیدہ مسلمانوں کے متفقہ عقیدہ کے سراسر خلاف ہے۔ اس سلسلہ میں اس کے اپنے مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

عَقَدَ الْخَلَائِقُ فِي الْإِلٰهِ عَقَائِدًا ۔۔۔ وَأَنَا اعْتَقَدْتُ جَمِيعَ مَا اعْتَقَدُوا

اللہ کے بارے میں لوگوں کے بہت سے عقیدے ہیں اور میں ان سب عقیدوں پر عقیدہ رکھتا ہوں

كَفَرَتْ بِدِينِ اللّٰهِ وَالْكُفْرُ وَاجِبٌ ۔۔۔ لَدَيَّ وَعِنْدَ الْمُسْلِمِينَ قَبِيحٌ

میں اللہ کے دین سے کفر کرتا ہوں اور یہ کفر میرے لیے واجب ہے جب کہ تمام مسلمانوں کے نزدیک یہ برا ہے۔

حسین بن منصور نے اپنے متعلق دین سے ارتداد اور کفر کا فتویٰ تو خود ہی لگا دیا۔ اور سمجھانے کے باوجود بھی جب وہ اپنے عقیدہ پر مصر رہا تو بالآخر اسے خلیفہ بغداد المقتدر باللہ نے ۲۴ ذی قعدہ ۳۰۹ھ (۹۱۲ء) بغداد میں قتل کر دیا اور اس خدا کی لاش کو جلا کر دریا میں پھینک دیا گیا۔ اتنے شدید جرم کے باوجود صوفیاء کی اکثریت نے ان کے حق پر ہونے اور ان کے سزا دینے والوں کو باطل پر ہونے کا فیصلہ کیا اور کہا ؎

روا باشد انا الحق از درختے ۔۔۔ چرا نہ بود روا از نیک بختے

یعنی اگر ایک درخت[1] سے انا الحق کی آواز درست ہو سکتی ہے تو ایک "نیک بخت"

---

[1] واضح رہے کہ وہ درخت خود نہیں بول رہا تھا نہ اس کے اندر سے یہ آواز آئی تھی بلکہ قرآن کریم کی تصریح کے مطابق (۲۸/۳۰) اس پر امن وادی کے دائیں کنارے پر ایک درخت تھا جس میں سے ہو کر یہ آواز آئی تھی جبکہ حسین بن منصور خود خدائی کے دعویدار تھے۔

بعض صوفیاء اس درخت والی آواز کو اسی عقیدہ حلول کے تحت حضرت علیؓ کی آواز قرار دیتے ہیں۔

کی طرف سے یہ آواز کیوں درست نہیں ہو سکتی۔

گویا صوفیاء کے نزدیک دین سے ارتداد اور کفر کوئی جرم نہ تھا بلکہ عین توحید تھی۔ ان کے نزدیک اگر کچھ جرم تھا تو فقط یہ کہ حسین بن منصور نے اس اصل رازِ توحید کو فاش کیوں کر دیا۔

مَنْ بَاحَ بِالسِّرِّ کَانَ الْقَتْلُ شِیْمَتَہٗ بَیْنَ الرِّجَالِ وَلَمْ یُؤْخَذْ لَہٗ ثَارٌ

ترجمہ: جو شخص راز فاش کر دے اس کا انجام قتل کے سوا کیا ہو۔ ایسے مقتول کا بدلہ بھی نہیں لیا جا سکتا۔

حسین بن منصور حلاج کا مقام اولیائے کرام کی نظر میں

حضرت علی ہجویریؒ

حضرت علی ہجویری (م ۴۶۵ھ) ان کی مدح میں یوں رقمطراز ہیں۔ "انہی میں سے مستغرق معنیٰ ابوالمغیث حضرت حسین بن منصور حلاج[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آپ سرمستانِ بادۂ وحدت اور مشتاق جمال احدیت گذرے ہیں۔ اور نہایت قوی الحال مشائخ تھے۔" (کشف المحجوب مصنفہ علی ہجویری صاحب صفحہ ۳)

پھر فرماتے ہیں کہ دیکھتے نہیں کہ حضرت شبلیؒ رحمۃ اللہ علیہ حضرت حسین بن منصور کی شان میں کیا فرما رہے ہیں۔ آپ کا اعلان ہے اَنَا وَالْحَلَّاجُ فِیْ شَیْءٍ وَاحِدٍ فَخَلَّصَنِیْ جُنُوْنِیْ وَاَهْلَکَہٗ عَقْلُہٗ۔ یعنی میں اور منصور حلاج ایک ہی طریق پر ہیں مگر مجھے میرے دیوانہ پن نے آزاد کرا دیا (اصل ترجمہ "بچھے رکھا" ہونا چاہیے) اور حسین بن منصور کو اس کی عقلمندی نے ہلاک کرا دیا۔

اگر (معاذ اللہ) وہ بے دین ہوتے تو شبلی رحمۃ اللہ علیہ یہ نہ فرماتے کہ میں اور حلاج ایک چیز ہیں۔ حضرت محمد بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ھُوَ عَالِمٌ رَبَّانِیٌّ حسین بن منصور حلاج عالم ربانی تھے اور ایسے اوروں نے بھی بہت کچھ تعریف کی اور انھیں بزرگ بتایا۔ (کشف المحجوب صفحہ ۳۰۲)

حضرت علی ہجویریؒ کے بیان سے مندرجہ ذیل نتائج نکلتے ہیں۔

---

[1] یہ جنید بغدادیؒ کے مرید تھے۔

۱۔ یہ بزرگ صحابی نہ ہونے کے باوجود "رضی اللہ تعالیٰ عنہ" ہیں۔
۲۔ ان کی بزرگی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ انھیں شبلیؒ نے اپنا ہم مسلک قرار دیا ہے یہ ایسی دلیل ہے جو تقلید آبا پر ختم ہو جاتی ہے۔
۳۔ آپ کے سوا دوسرے بزرگوں نے بھی انھیں بزرگ (بڑی شان والے صوفی) تسلیم کیا ہے۔

مولانا رومیؒ اپنی مثنوی میں فرماتے ہیں:

گفت فرعونے انا الحق گشت پست　　گفت منصورے انا الحق گشت مست
لعنت اللہ ایں انا را در قفا　　رحمۃ اللہ ایں انا را در قفا

ترجمہ: فرعون نے انا الحق کہا تو ذلیل ہو گیا اور منصور نے انا الحق کہا تو (عشق و محبت میں) مست قرار پایا۔ فرعون کی خودی کے لیے تو بعد میں اللہ کی لعنت ہی رہ گئی اور منصور کی خودی کے لیے بعد میں اللہ کی رحمت رہی۔

شیخ عبدالقادر جیلانی پیرانِ پیر، حضرت عبدالقادر جیلانی (م ۵۶۱ھ) کا مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔

"حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے فرمایا کہ حسین بن منصور حلاج کے زمانہ میں کوئی ان کی دستگیری کرنے والا اور جس لغزش میں وہ مبتلا ہوئے کوئی بچانے والا نہیں تھا۔ اگر میں ان کے زمانے میں ہوتا تو ان کی دستگیری کرتا اور نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔" (اخبار الاخیار مصنفہ عبدالحق محدث دہلوی۔ ترجمہ اردو مولانا سبحان محمود ۱۲۹)

شیخ عبدالقادرؒ حلاج کی کس قسم کی دستگیری فرمانا چاہتے تھے یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے وہ اسے اس عقیدہ سے باز رکھنا چاہتے تھے یا اس عقیدہ کو سینہ میں چھپانے کی تلقین کرنا چاہتے تھے یا علمائے وقت کے فتویٰ سے اختلاف کر کے انھیں بچا لینا چاہتے تھے۔ بہر حال یہ بات واضح ہے کہ آپ کو حلاج سے ہمدردی ضرور تھی۔

خواجہ نظام الدین اولیاء دہلی خواجہ نظام الدین (م ۷۲۵ھ) ان کی بزرگی کے اس قدر قائل تھے کہ آپ نے فرمایا:

"ذکر مشائخ کا ہو رہا تھا بندہ نے عرض کیا کہ سید احمدؒ کیسے تھے۔ آپ نے فرمایا

دو بزرگ شخص تھے۔ عرب کا قاعدہ ہے کہ جب کسی کو بزرگی سے یاد کرتے ہیں تو اسے سیدی کہتے ہیں۔ وہ شیخ حسین منصور حلاج کے زمانے میں تھے جب کہ ان کو جلایا گیا اور ان کی خاک دجلہ میں ڈالی گئی۔ سیدی احمد صاحب نے ذرا سی خاک اس میں تبرکاً اٹھا کر کھا لی تھی۔ یہ ساری برکتیں اسی سبب سے انھیں حاصل تھیں۔"
(فوائد الفواد۔ ملفوظات نظام الدین اولیا، صاحب۔ مرتبہ خواجہ حسن دہلوی ص۱۴۷۔
ترجمہ پروفیسر محمد سرور صاحب، شائع کردہ محکمہ اوقاف پنجاب)

ملاحظہ فرمائیے کہ جب ان کی خاک تبرکاً کھانے سے اتنی برکتیں حاصل ہو جائیں تو ان بزرگ کی بزرگی کا کیا عالم ہوگا۔

اب تذکرہ نگاروں کا اختلاف بھی ملاحظہ فرمائیے۔ فوائد الفواد میں تو مندرجہ بالا عبارت مذکور ہے۔ لیکن اخبار الاخیار میں حضرت نظام الدین اولیا، کا حلاج کے متعلق فتویٰ یوں ہے:

اخبار الاخیار می نویسد کہ از نظام الدین اولیا سوال کردند کہ حکم شیخ ابن منصور حلاج چیست؟ فرمود کہ مردود است۔ جنید او را رد کردہ بود۔ جنید مقتدائے وقت بود۔ رد او رد ہم باشد" (البلاغ المبین فارسی از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ص۷۰ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور)

صاحب اخبار الاخیار لکھتا ہے کہ نظام الدین اولیاؒ سے پوچھا گیا کہ شیخ ابن منصور حلاج کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ فرمایا۔ وہ مردود ہے۔ جنید نے اس کو رد کیا ہے۔ جنیدؒ مقتدائے وقت تھے۔ ان کا رد کرنا سب کا رد کرنا ہے۔"

واضح رہے کہ حضرت جنیدؒ تو ۲۹۸ھ میں وفات پا گئے اور حلاج کے قتل کا واقعہ ۳۰۹ھ کے آخر کا ہے۔ البتہ حضرت جنیدؒ کے مرید خاص شبلیؒ زندہ تھے اور وہ منصور

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) احمد سے رفاعی سلسلہ کا آغاز ہوتا ہے جس طرح ہمارے ہاں یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ جیسے شرکیہ وظائف رائج ہیں۔ مصر میں یا سیدی احمد شیئاً للہ کا وظیفہ کیا جاتا ہے۔

لہ تذکرہ نگاروں کی تاریخ دانی بھی ملاحظہ فرمائیے اور روایات کا اختلاف بھی۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ حلاج کے نظریات اس کی وفات سے بہت عرصہ پیشتر پھیل چکے ہوں اور حضرت جنیدؒ نے ان کو مردود قرار دیا ہو۔ لیکن وہ اس کے قتل کے وقت زندہ نہ تھے۔

کے ہم خیال اور ہم راز تھے۔

امام اہلسنت رضا خاں بریلوی

حلول کا عقیدہ آج تک مسلمانوں میں متوارث چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ "امام اہل سنت" احمد رضا خاں بریلوی فرماتے ہیں:

حضرت منصور و تبریز و سرمد نے ایسے الفاظ کہے جن سے خدائی ثابت ہے لیکن وہ ولی اللہ گنے جاتے ہیں۔ اور فرعون، شداد، ہامان و نمرود نے دعویٰ کیا تھا تو مخلد فی النار ہوئے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب:۔ ان کافروں نے خود کہا اور ملعون ہوئے اور انھوں نے خود نہ کہا۔ اس نے کہا جسے کہنا شایان ہے اور آواز بھی انہی سے مسموع ہوئی۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام نے درخت سے سنا اِنِّیْ اَنَا اللہ میں ہی رب اللہ سارے جہان کا، کیا درخت نے کہا تھا حاشا بلکہ اللہ نے۔ یونہی یہ حضرات اس وقت شجر موسیٰ ہوتے ہیں۔" (احکام شریعت ص۹۳)

دیکھئے عقیدہ حلول کی کس قسم کے کنایوں سے وکالت فرما رہے ہیں۔ فرعون، نمرود وغیرہ کو جہنمی قرار دیا اور اس کی اطلاع قرآن میں دی ہے اور حلاج و سرمد وغیرہ کو ولی تو آپ لوگ کہتے ہیں۔ علامۃ المسلمین تو ان کا انجام اللہ کے سپرد کرتے ہیں،

ایک، دوسرے مقام پر یہی "امام اہل سنت" فرماتے ہیں:

حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ حضور اقدس و انور سید عالم کے وارث کامل و نائب تام و آئینہ ذات ہیں کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنی جمیع صفات جمال و جلال و کمال و افضال کے ان میں متجلی ہیں۔ جس طرح ذات عزت احدیت مع جملہ صفات و نعوت جلالت آئینہ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں تجلی فرما ہے۔" (فتاوی افریقہ ص۱۰۱)

ہم نے بغرض اختصار صرف چار پانچ مشہور صوفیہ کے اقتباسات پر اکتفا کیا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ صوفیہ کی اکثریت آج تک منصور کو اس صریح کفر کے باوجود بہت بڑا متعبد اور راست باز ثابت کرنے کی کوشش کرتی اور اس کی مدافعت میں طرح طرح کی تاویلات پیش کرتی چلی آئی ہے۔ منجملہ ایک عذر "حالت سکر" کا ہے۔

سکر اور صحو کا امتیاز صوفیاء کی طرف سے یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ حالت سکر (کیف و مستی) میں اگر کسی بزرگ کے منہ سے ایسے خدائی صفات کے حامل الفاظ یا خدائی کا دعویٰ زبان سے نکل جائے تو وہ شرعی لحاظ سے قابل مواخذہ نہیں۔ سوال یہ ہے کہ آخر یہ سکر کب شرعی چیز ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام پر یہ کیفیت کب طاری ہوئی؟ تو کیا یہ بزرگ ان سے زیادہ خدا سے محبت رکھنے والے ہیں؟ یہ سکر تو بذات خود ایک بدعت اور مصنوعی چیز ہے اور اس کی وکالت اس سے بھی بدتر۔ اسی طرح کے چند اقوال حضرت بایزید بسطامی کی طرف بھی منسوب ہیں۔ مثلاً آپ نے فرمایا:

سبحانی ما اعظم شانی۔ میں پاک ہوں میری شان کتنی بڑی ہے۔

یا یہ بھی فرمایا:

ملکی اعظم من ملک اللہ میری بادشاہی خدا کی بادشاہی سے زیادہ ہے۔

یہ تو خیر سکر اور صحو کی بحث تھی۔ حسین بن منصور حلاج کے متعلق تو بصراحت مذکور ہے کہ وہ انا الحق کا نعرہ صرف حالت سکر میں ہی نہیں بلکہ صحو میں بقائمی ہوش و حواس اپنے آپ کو انا الحق کہتا تھا تو پھر اس سے بھی ہمدردی کس بنا پر کی جاتی ہے۔

منصور حلاج کی تدریجی ترقی خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ رسپور میں ایک شخص پکڑا گیا جس کے ساتھ ایک توبرا تھا جسے وہ کسی وقت بھی جدا نہیں کرتا تھا۔ جب اس توبرے کی تلاشی لی گئی تو اس میں سے ایک خط برآمد ہوا جس میں من الرحمن الرحیم الی فلاں ابن فلاں کے الفاظ لکھے تھے۔ یہ خط فوراً بغداد روانہ کیا گیا۔ قاضی کے سامنے حلاج کو پیش کیا گیا۔ انھوں نے اعتراف کیا کہ یہ خط انہی کا لکھا ہوا ہے۔ قاضی نے پوچھا "اتنے دن تک تو تم نبوت کا دعویٰ کرتے تھے۔ اب ربوبیت کا بھی دعوے کرنے لگے ہو؟" حلاج نے جواب دیا۔ میں ربوبیت کا دعویٰ نہیں کرتا لیکن یہ ہمارے نزدیک عین الجمع ہے۔ کیا کاتب اللہ کے سوا کوئی اور ہو سکتا ہے۔ میں اور میرا ہاتھ تو صرف ایک آلہ ہے۔" (تاریخ بغداد ج ۸ ص ۱۳۲)

اسی طرح شیخ ابن عربی نے حلاج کا ایک خط نقل کیا ہے جس کو انھوں نے اپنے ایک شاگرد کے نام لکھا تھا جو اس طرح شروع ہوتا ہے:

"اے میرے لڑکے تجھ پر سلامتی ہو۔ خدا تجھ سے ظاہری شریعت کو چھپائے اور تجھ پر کفر کی حقیقت کھولے، کیونکہ شریعت کا ظاہر شرک خفی ہے اور کفر کی حقیقت معرفت جلیہ ہے۔ اما بعد ....." (رسائل ابن عربی مطبوعہ حیدر آباد جزء ۱ رسالہ امام رازی ص۱۳)

حلاج سے متعلق ابن عربی نے اپنی فتوحات مکیہ میں ایک اور واقعہ نقل کیا ہے کہ مشہور بزرگ شیخ ابو عمرو بن عثمان مکی حلاج کے سامنے سے گزرے اور پوچھا کیا لکھ رہے ہو؟ حلاج نے جواب دیا "قرآن کا جواب لکھ رہا ہوں" یہ سن کر ابو عمرو بن عثمان مکی نے بددعا کی اور انہی کی بددعا کا نتیجہ تھا کہ حلاج قتل کر دیا گیا۔

کیا یہ سب واقعات حالت سکر کے ہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ حلاج پر باطنیت کے اثرات نمایاں تھے اور یوں بھی تصوف (عبداللہ بن سبا کا پیدا کردہ فرقہ) سے متاثر ہے۔ حلاج کے متعلق امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم دونوں نے صاف لکھا ہے کہ "وہ کافر تھا اور اس کے متعلق علماء کا فیصلہ بالکل ٹھیک تھا"

امام ابن تیمیہ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

"کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حلاج فنا میں ڈوب گیا اور باطنی حقیقت سے معذور تھا مگر ظاہری طور پر اس کا قتل واجب تھا اور کچھ دوسرے اسے شہید، فنا فی اللہ موحد اور محقق کہتے ہیں۔ یہ لوگ شریعت کی پرواہ نہیں کرتے" پھر واضح الفاظ میں لکھتے ہیں۔

"حلاج اپنے کفر کی وجہ سے قتل کیا گیا، وہ قرآن کا معارضہ کرتا تھا۔ اس کا یہ بھی خیال تھا کہ اگر کسی کا حج فوت ہو جائے تو وہ اپنے ہاں کعبہ بنا کر اس کا طواف کر سکتا ہے اور حج کے سوا تمام رسوم ادا کر سکتا ہے اور حج پر جتنی رقم خرچ ہو سکتی ہو اس کو صدقہ دے سکتا ہے۔" آگے چل کر لکھتے ہیں۔

"جنید، عمرو بن عثمان مکی اور ابو یعقوب شہر جوری جیسے جلیل القدر مشائخ نے حلاج کی مذمت کی ہے۔ اگر کوئی شخص حلاج کے متعلق حسن ظن رکھتا ہے تو اس کی وجہ محقق یہ ہے کہ وہ اصل حالات سے آگاہ نہیں" (مجموعہ رسائل الکبریٰ جلد ۲ ص ۹۷ تا ۹۹)

حلول معین اور حلول مطلق حسین بن منصور حلاج سے عقیدت رکھنے والے جن بزرگوں کے اقتباسات پیش کیے گئے ہیں وہ ولایت کی دنیا میں آفتاب و ماہتاب کی مانند درخشاں ہیں اور جن کی اسلامی خدمات اور ان کے متبع سنت ہونے کو شک سے بالاتر سمجھا جاتا ہے جب کہ ایسے اساطین کا یہ حال ہو تو عام ولیوں اور پیروں فقیروں کی اس عقیدہ سے جو وابستگی ہو گی اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

بعد کے ادوار میں حلول کا یہ عقیدہ اور بھی ترقی کر گیا اور تسلیم کر لیا گیا کہ حلول کے لیے کسی معین ہستی کی قید ضروری نہیں۔ کہ حلول ہر شخص میں ہو سکتا ہے اور اس کو حلول مطلق کا نام دیا گیا۔

"حلول مطلق کے علمبرداروں میں سے ایک عبدالکریم جیلی ہے جو کہتا ہے کہ قل ھو اللہ احد میں ھُوَ کا مرجع قُل میں مستتر ضمیر اَنْتَ ہے اور اس سے مراد انسان کامل ہے یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس بے بنیاد بات اور غلط ماخذ کا قول محی الدین کا یہ قول ہے سُبحَانَ مَنْ اَظْھَرَ الاَشیَاءَ وَھُوَ عَینُھَا یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے اشیاء کو ظہور کا لباس پہنایا جب کہ اشیا اور اس کی ذات ایک ہی ہے۔ جیلی نے یہ بھی کہا، عیسائی حلول کی بنا پر کافر قرار نہیں دیے گئے بلکہ ان کے کفر کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے عام اشیاء کو چھوڑ کر صرف مسیحؑ میں ہی حلول کو خاص کیا۔ اگر وہ خدا کے حلول کو ہر چیز میں تسلیم کر لیتے تو وہ کافر نہ ہوتے۔"

نئے خدا انہی عقائد اتحاد و حلول اور ان کی برملا حمایت کا یہ اثر ہوا کہ بعد کے ادوار میں کئی "خدا" پیدا ہوتے رہے اور ان کی خدائی کو بھی بہ نظر استحسان ہی دیکھا جاتا رہا ہے۔ یہاں ہم گیارھویں صدی ہجری کے ایک خدا اور اس کے انجام کا ذکر کرتے ہیں۔ حدیقۃ الاولیاء کے مصنف مفتی غلام سرور کتاب مذکورہ کے صفحہ ۱۹۷ پر حکیم سرمد دہلوی مقتول کے حالات قلمبند فرماتے ہیں۔

> یہ بزرگ صاحب جذب و سکر و مستی و استغراق و عشق و محبت تھا۔ پہلے یہودی مشرب تھا۔ کتاب توراۃ کمال شوق سے پڑھا کرتا۔ من بعد مشرف بہ اسلام ہوا اور علوم ظاہری میں تحصیل کی۔ اچانک حضرت عشق اس کے حال پر متوجہ ہوئے اور یہ ایک ہندو بچہ پر عاشق ہوا۔ مدت تک اس کے دامِ عشق میں مبتلا

رہا۔ من بعد بحکم المجاز قنطرۃ الحقیقت معشوق حقیقی کے عشق میں ایسا محو ہوا کہ دوئی کی گنجائش عاشق و معشوق میں نہ رہی اور یہ بے خود، بے ہوش، سر و پا برہنہ مکشوف الصورت کبھی بازاروں میں پھرا کرتا اور کبھی ویرانہ جنگل کو نکل جاتا ہوتے ہوتے یہ حالت طاری ہوئی کہ ـ من خدایم من خدایم من خدا ـ کہنے لگا۔ جب یہ بات علمائے وقت کو معلوم ہوئی۔ سب نے بالاتفاق اس کے قتل کا فتویٰ لکھا اور اورنگ زیب عالمگیر کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے قتل کی اجازت چاہی۔ چنانچہ یہ بادشاہ کے حکم سے ۱۰۷۰ھ میں قتل ہوا۔"

خریدار حضرات متوجہ ہوں

● بہت سے احباب کی مدت خریداری اس شمارے کے بعد ختم ہو جائے گی۔ بطورِ اطلاع ان کے نام آنے والے پرچے پر "آپ کا چندہ ختم ہے" کی مہر لگا دی گئی ہے۔ اپنا پرچہ چیک کر لیں اور نوٹ فرمالیں کہ اس اطلاع کے بعد، پندرہ دن کے اندر اندر، آیندہ خریداری جاری رکھنے کی صورت میں سالانہ زرِ تعاون بذریعہ منی آرڈر روانہ فرمادیں یا اگلے ماہ (کا شمارہ) بذریعہ وی پی پی وصول کرنے کے لئے تیار رہیں ـــــــ اور (خدانخواستہ) آئندہ خریداری جاری نہ رکھنے کی صورت میں دفتر کو اطلاع دیں کہ وی پی پی روانہ نہ کیا جائے۔

یاد رکھئے! وی۔پی۔پی واپس کرنا اخلاقی جرم ہے

● بعض اوقات تازہ پرچہ محفوظ رکھنے کی خاطر وی پی پیکٹ میں پرانا پرچہ ارسال کر دیا جاتا ہے اور وی پی پی وصول ہونے کے فوراً بعد تازہ پرچہ عام ڈاک سے روانہ کر دیا جاتا ہے۔ لہٰذا اسے کسی بددیانتی پر محمول نہ کیا جائے۔ والسلام!

(مینیجر)